استحسان اور اصول استحسان تفسیری تناظر میں: ایک جائزہ

Istiḥsān & Usōl e Istiḥsān in Perspective of Qur'ānic Interpretations: An Appraisal

ڈاکٹر محمد عاطف اسلم راؤ[1] محمد عتیق الرحمٰن[2]

Abstract

Islām is a complete code of life. The following declaration was announced by the beloved the Prophet ﷺ during his last sermon of pilgrimage, ''This day I have perfected your religion for you, completed my favours on you and has chosen for you Islam as your religion.'' (Al Qur'ān, 5:3)

The jurists of Islamic Law have laid down broad principles regarding "Istiḥsān and 'Usōl e Istiḥsān." This article analyses the legal status of Istiḥsān and 'Usōl e Istiḥsān in the perspective of Qur'ānic verses and their interpretations by the eminent Commentators (mufassirīn) along with their arguments. The article deals with the significance of the above said aspect in Islamic Jurisprudence along with enough details of its various aspects. A conclusion is also presented at the end of the research paper.

Keywords: Islamic Law, *Istiḥsān*, *Usōl e Istiḥsān*, Jurists, *Qur'ānic* Interpretations.

تمہید:

عصر حاضر کی مادّی ترقی اور تیزی سے بدلتے ہوئے حالات نے انسان کو ایک طرف یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ شریعت اسلامی کے مصادر کا مطالعہ اس انداز میں کیا جائے کہ درپیش مسائل کا حل آسان ہو اور ساتھ ساتھ اسلام نے معاملات انسانی کے لیے جو آسانیاں رکھی ہیں ان سے بھی بھرپور انداز میں استفادہ کیا جا سکے۔

دوسری طرف جدید عصری مسائل کے حل کے لیے جب اہل علم سے رابطہ کیا جائے تو وہ نصوص یعنی قرآن وسنت واجماع وقیاس کی روشنی میں جوابات مرحمت فرماتے ہیں لیکن جب غیر منصوص مسائل میں دو یا دو سے زیادہ آراء سامنے آتی ہیں تو اس وقت ان میں سے کس کو ترجیح دی جائے؟ بعض اوقات اس پر تشکیک و ابہام پیدا ہو جاتا ہے، جس کے سبب بعض عناصر علمائے احناف پر اہل الرائے ہونے کا الزام تراشتے ہوئے ایک اہم فقہی ماخذ استحسان کا یکسر رد کر دیتے ہیں تو کبھی اس کے حجّت ہونے اور مصدری نوعیت کا انکار کرتے ہیں۔ یہ حقیقت اپنی جگہ درست ہے کہ وہ نصوص تو محدود ہیں جن میں کلمہ استحسان مستعمل ہوا ہے لیکن ایسی بھی متعدد آیات ہیں جن میں مفہوم استحسان کثرت سے موجود ہے اور کئی مفسرین نے آیات قرآنیہ سے ثابت ہونے والے مسائل فقہیہ کو قاعدہ استحسان سے حل فرما کر اس طرف توجہ دلائی کہ قاعدہ استحسان کی تائید میں نہ صرف فقہاء کے اقوال وآثار موجود ہیں بلکہ ائمہ مفسرین و محدثین نے بھی قاعدہ

---

[1]۔ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی

[2]۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی

استحسان سے مکمل افادہ واستفادہ کیا ہے، زیرِ نظر مقالہ میں مسائلِ استحسان کا تفسیری تناظر میں ایک تحقیقی جائزہ پیش کیا جائے گا تاکہ بعض اذہان میں فقہی مصادر میں سے استحسان کے بارے میں پیدا ہونے والے باطل تصورات کو زائل کیا جاسکے۔

چنانچہ اس مقالہ میں پہلے استحسان کا مختصر تعارف، پھر وہ آیات اور احادیث جن میں لفظی یا معنوی طور پر استحسان موجود ہے ان کا بیان اور پھر چند مسائل استحسان کا تفسیری تناظر میں ایک تحقیقی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

استحسان اور اصول استحسان

اس عنوان کے تحت دو چیزوں کا بیان کیا جائے گا۔(1) کلمہ استحسان باعتبار لغت واصطلاح (2) استحسان اہل اصول کی نظر میں

1۔استحسان باعتبار لغت واصطلاح

فقہ اسلامی کے چار بنیادی ماخذ کو مصادر اصلیہ (Original/Primary Sources) کہا جاتا ہے ان کے بعد ثانوی مصادر میں استحسان کو ترجیح حاصل ہے، استحسان کا مادہ اشتقاق ''حسن'' ہے اور اسی سے باب استفعال کا مصدر ہے چنانچہ کتب لغت واصول میں ہے :

''الاستحسان فی اللغة مشتق من الحسن [1] قال: ابن منظور و الحسن۔۔۔ما حسن شيء من الكل فهو استفعال من الحسن''[2]

استحسان لغت میں حسن سے مشتق ہے ابن منظور نے کہا ہے ہر شئ میں اچھی اور عمدہ چیز کو ''حسن'' کہا جاتا ہے۔

اور استحسان ضد ہے استقباح[3] کی[4] جس کے معنی ہیں:

''هو عدالشيء واعتقاده حسنًا''[5] یعنی کسی چیز کو اچھا جان کر اس کے اچھا ہونے کا اعتقاد رکھنا۔

استحسان ''حسن'' سے باب استفعال کا مصدر ہے[6] اور استفعال کی خاصیات میں ایک خاصیت یہ ہے کہ اس میں کسی چیز کی طلب کا معنیٰ پایا جاتا ہے چنانچہ کلیات میں اس کا معنیٰ یوں بیان کیا گیا ہے:

''هو طلب الاحسن من الامور''[7] یعنی معاملات میں سب سے بہتر کا طلب کرنا استحسان ہے۔

امام غزالی نے کہا ہے:

''مايستحسنه المجتهد بعقله''[8] یعنی جسے مجتہد اپنی عقل سے اچھا سمجھے۔

امام سرخسی نے کہا ہے کہ لغت میں استحسان (وجود الشّيء حسنا) (جو چیز باعتبار وجود اچھی ہو) کو کہا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے:

''الرجل استحسن كذا أي اعتقده حسنا''[9] یعنی آدمی نے اسے اس طرح اچھا کہا یعنی اس نے اچھا اعتقاد رکھا۔

اس کا معنی یہ ہے:

''طلب الأحسن للاتّباع الّذي هو مأمور به''[10] یعنی اتباع کے لیے امور میں سب سے بہتر کی تلاش استحسان ہے۔

2۔استحسان: اہلِ اصول کی نظر میں

اہل اصول ائمہ نے مختلف ادوار میں استحسان کی مختلف تعریفات وتعبیرات پیش فرمائی ہیں۔ جن میں سے چند مشہور اور جامع ومانع تعریفات کو ذکر کیا جاتا ہے۔

امام سرخسی نے کہا ہے کہ:

''هو ترك القياس و الأخذ بما او فق للناس''[11] استحسان قیاس کو چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کرنا ہے جو لوگوں کے لیے زیادہ موافق ہو۔

عبدالوہاب لکھتے ہیں:

"طلب السّهولة في الأحكام فيما يبتلي فيه الخاصّ و العامّ"[12] یعنی احکام میں اس سہولت کو طلب کرنا ہے جس میں ہر خاص وعام مبتلا ہو۔

ان دونوں تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ استحسان مشکل میں آسانی کو طلب کرنے کا نام ہے۔

دوسرے اصولی فقہاء سے استحسان کی مختلف تعریفات یوں منقول ہیں مثلاً:

محمود اصفہانی کا قول

"تخصيص قياس بأقوى منه"[13] یعنی ایک قیاس کو اس سے زیادہ قوی (دلیل) کے ساتھ خاص کرنا ہے۔

امام کرخی لکھتے ہیں:

"الاستحسان هو ان يعدل الانسان عن ان يحكم في المسالة بمثل ما حكم به في نظائرها الى خلافه لوجه اقوىٰ من الاول يقضي العدول من الاول"[14]

استحسان سے مراد یہ کہ انسان کسی مسئلہ میں اس سے ہٹ کر فیصلہ دے جو اس سے پہلے اس مسئلہ کے مشابہ میں دیا گیا ہو اس کا یہ فیصلہ کسی ایسے سبب کی بناء پر ہو جو سابق سے قوت میں زیادہ ہو اور پہلا اس سے عدول کا تقاضا بھی کرتا ہو۔

امام غزالی کے مطابق:

"العدول بحكم المسألة عن نظائرها بدليل خاصّ من القرآن مثل قوله مالي صدقةٌ لله أو عليّ أن أتصدّق بمالي، فالقياس لزوم التصدّق بكلّ ما يسمّى مالاً، لكن استحسن أبو حنيفة التخصيص بمال الزّكاة لقوله تعالى خذ من أموالهم صدقةً ولم يرد إلّا مال الزّكاة"[15]

کسی مسئلہ میں اس سے ہٹ کر فیصلہ دے جو اس سے پہلے اس مسئلہ کے مشابہ میں خاص قرآن سے دلیل کے ساتھ دیا گیا ہو ان کے اس قول کی مثل کہ مجھ پر اللہ کے لیے صدقہ لازم ہے یا کہے کہ مجھ پر اپنے مال کو صدقہ کرنا لازم ہے پس اس میں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جس مال کا اس نے ذکر کیا اس سارے کا صدقہ کرنا لازم ہو لیکن امام ابو حنیفہ نے استحسان کرتے ہوئے اسے مال زکوۃ کے ساتھ خاص کر دیا اللہ تعالیٰ کے قول: (خذ من أموالهم صدقةً)[16] (ان کے مالوں سے زکوۃ لو) کے ساتھ خاص کر دیا پس انہوں نے اسے مال زکوۃ کے سوا کی طرف نہیں لوٹایا۔

فقہ اسلامی کے دبستان حنفی میں استحسان کو ایک اہم اور ضمنی ماخذ قانون کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے اگرچہ اسلام کے ابتدائی ادوار میں استحسان بطور اصطلاح مستعمل نہ تھا تاہم عملی طور پر عہد رسالت ﷺ وخلفاء راشدین میں موجود تھا جس کی سنت نبوی ﷺ، آثار صحابہ اور اقوال مفسرین، محدثین وفقہاء میں متعدد مثالیں موجود ہیں۔ اس مقالہ میں صرف ان امثال کی شہادت کو مد نظر رکھا گیا ہے جنہیں معتبر مفسرین نے اپنی تفاسیر میں ذکر کیا ذیل میں چند تفاسیر سے جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

استحسان قرآن وسنت کے تناظر میں

قرآن وسنت میں کلمہ استحسان حسی ومعنوی طور پر موجود ہے۔ ذیل میں بطور مثال تین آیات اور دو احادیث کو ذکر کیا جاتا ہے۔

الف۔ "واتبعوا أحسن ما أنزل إليكم"[17] تم کو چاہیے کہ اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو۔

ب۔"الّذین یستمعون القول فیتّبعون أحسنہ"[18] جو اس کلام الٰہی کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے۔

ج۔ وأمر قومک یاخذوا باحسنہا"[19] اپنی قوم کو حکم دے کہ اس کی اچھی باتیں اختیار کریں۔

مذکورہ آیات میں احسن کی تصریحات کو بیان کیا گیا ہے پہلی آیت میں (أحسن ماأنزل) احسن کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور دوسری دونوں آیات میں ان حضرات کے اس وصف کو بیان کیا گیا جو احسن کی پیروی کرتے ہیں۔ان نصوص قرآنیہ میں احسن کی اتباع کی ترغیب ہے یعنی بعض احکام کو چھوڑ کر بعض کی محض اس لیے اتباع کرنا کہ وہ پیروی میں احسن ہیں تو استحسان بھی ایسے ہی ایک اصول کا نام ہے جس میں قیاس جلی کے مقابلے میں قیاس خفی کو اس کے احسن ہونے کی وجہ سے اختیار کیا جاتا ہے۔[20]

سنت میں اس کی وضاحت کر دی گئی کہ جو شئی مسلمین و مؤمنین کے نزدیک حسن یا احسن ہو وہ عنداللہ بھی مستحسن ہوتی ہے چنانچہ

"ومارآہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن"[21] جسے مسلمان مستحسن سمجھیں وہ اللہ کے یہاں بھی مستحسن ہے۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث شریف میں ہے کہ: "ومارآہ المؤمنون حسنا فھو عنداللہ حسن"

مذکورہ بالا نصوص قرآنیہ اور حدیث میں احسن کی جو تصریح بیان ہوئی ہے ان نصوص کے الفاظ میں عموم ہے جس سے استنباط احکام میں امر مستحسن کی اتباع اور جستجو کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔ لیکن کسی چیز کو محض عقل ورائے کی بناء پر مستحسن نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ اس امر کو کسی نہ کسی دلیل شرعی کی وجہ سے مستحسن کہا جائے گا۔

تفاسیر میں استحسان معنوی واصولی تعبیرات کے ساتھ مستحسن، استحسن، استحسن اور استحسان کے الفاظ کے ساتھ مفسرین کی عبارات میں مذکور ہے کہیں ایک اعراب کو دوسرے اعراب پر ترجیح دینے کے لیے اور کہیں ایک حکم کو قوی دلیل (قیاس خفی/استحسان) کی بناء پر دوسرے حکم پر ترجیح دیتے ہوئے مفسرین نے کہا ہے کہ اس میں، میں نے یا فلاں فقیہ یا اہل لغت نے استحسان کیا یا اس کو مستحسن جانا یا فلاں امام یا فقیہ، مجتہد نے اس میں استحسان کیا۔ کسی مفسر کا مذکورہ کلمات کے ساتھ کسی رائے کو نقل کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے نزدیک بھی مستحسن ہے یعنی اگر اس میں دوسرے نے استحسان نہ کیا ہوتا تو میں استحسان کرتا۔اب ذیل میں ان تمام الفاظ کو تفسیری تناظر میں بیان کیا جاتا ہے جن الفاظ کو ادا کر کے فقہی یا اصولی استحسان مراد لیا جاتا ہے۔

کلمہ مستحسن تفسیری تناظر میں

1۔ علی بن احمد کا آیت کے ان الفاظ "(إنّا منجّوك)[22] کی تفسیر میں قول ہے:

يعني:بناتك. قال المبرد:الكاف في "منجّوك" مخفوضة،فلم يجز أن يعطف الظاهر على المضمر المخفوض لعلة ذكرناها في قوله:"تساءلون به والأرحام" فحمل الثاني على المعنى فصار في التقدير: وننجي أهلك ومنجون أهلك،وهذا جائز مستحسن"[23]

ہم آپ کو یعنی آپ کی بیٹیوں کو نجات دیں گے مبرد نے کہا ہے کہ "منجوک" میں کاف مخفوضہ ہے اور مخفوضہ کی علت کے لیے مضمر کے ظاہر پر عطف کرنا جائز نہیں ہوتا جیسا کہ (تساءلون بہ والأرحام) میں ہم ذکر کر چکے پس اسے اس کے دوسرے معنی پر معمول کیا تو اس کے تقدیری معنی یہ ہوئے کہ (وننجي أهلك ومنجون أهلك) اور یہ مستحسن ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔

اگر بنظر غور دیکھا جائے تو مبرد مستحسن کی تعبیر اور اصولی استحسان میں کوئی بھی فرق معلوم نہیں ہوتا۔

2۔امام فخر الدین الرازی کا آیت (لیس علیکم جناحٌ أن تبتغوا فضلاً من ربّکم فإذا أفضتم من عرفات)[24] کی تفسیر میں قول ہے:

"فيه مسائل: المسألة الأولى: في الآية حذفٌ و التقدير: ليس عليكم جناحٌ في أن تبتغوا فضلًا و الله أعلم. المسألة الثانية: اعلم أن الشبهة كانت حاصلةً في حرمة التّجارة في الحجّ من وجوه: أحدها: أنّه تعالى منع عن الجدال فيما قبل هذه الآية، والتّجارة كثيرة الإفضاء إلى المنازعة بسبب المنازعة في قلّة القيمة و كثرتها، فوجب أن تكون التّجارة محرّمةً وقت الحجّ وثانيها: أنّ التّجارة كانت محرّمةً وقت الحجّ في دين أهل الجاهليّة، فظاهر ذلك شيءٌ مستحسنٌ لأنّ المشتغل بالحجّ مشتغلٌ بخدمة الله تعالى، فوجب أن لا يتلطّخ هذا العمل منه بالأطماع الدّنيويّة"[25]

اس آیت میں مسائل ہیں پہلا مسئلہ آیت میں محذوف ہے اور تقدیراً اسے یوں بیان کیا گیا ہے کہ ''تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم طلب کرو'' اور مسئلہ ثانیہ حج میں حرمت تجارت کو شبہ چند اسباب کی بناء پر پیدا ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے پہلے حج میں جدال سے منع کیا ہے تجارت میں تنازعہ، قیمت کی کمی و بیشی میں جھگڑا کی وجہ سے ہوتا ہے لہٰذا بوقت حج تجارت کا حرام ہونا ضروری ہے دوم یہ کہ بوقت حج اہل جاہلیت کے ہاں تجارت حرام تھی اور ظاہرا یہ شئی مستحسن ہے کیونکہ حاجی اللہ تعالیٰ کی خدمت میں مصروف ہوتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ وہ عمل حج کو دنیاوی لالچوں میں ملوث نہ کرے۔

امام رازی نے حج کے اوقات میں تجارت کو دور جاہلیت کے عرف و عادت کو دلیل بنا کر حرام قرار دیا اور وجہ کے طور پر استحسان کو ذکر فرمایا اور فقہاء کرام کے ہاں اسے استحسان عرفی کا نام دیا جاتا ہے۔

3۔ امام رازی کا آیت ''يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر''[26] کی تفسیر میں قول ہے:

" ويدلّ عليه من الأحاديث قوله عليه السّلام: لا ضرر ولا ضرار في الإسلام ويدلّ عليه أيضًا أنّ دفع الضّرر مستحسنٌ في العقول فوجب أن يكون الأمر كذلك في الشّرع لقوله عليه السّلام: ما رآه المسلمون حسنًا فهو عند الله حسنٌ "[27]

''اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا'' اس پر یہ احادیث بھی دلالت کرتی ہیں کہ تکلیف نہ دو کیونکہ اسلام میں کوئی تکلیف نہیں جو کہ اسی پر دلالت کرتی ہے اسی طرح یہ کہ عقول میں ضرر کو دفع کرنا مستحسن ہے پس امر میں لازم ہے کہ شرع میں بھی اس کا اسی طرح ہونا لازم ہے۔ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کی وجہ سے جو مسلمانوں کے نزدیک حسن ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی حسن ہوتا ہے۔[28]

تفسیر کبیر الرازی میں تو اس طرح کی متعدد امثال موجود ہیں کہ جن میں کسی بھی مسئلہ کو استحسان کرنے کے بعد حدیث (ما رآه المسلمون حسنًا فهو عند الله حسنٌ) کو بطور دلیل پیش فرمایا کہ میں اس حدیث کی وجہ سے استحسان کیا۔

4۔ عبد اللہ بن احمد کا آیت (وإذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلامًا)[29] کی تفسیر میں قول ہے:

(وإذا خاطبهم الجاهلون) أي السفهاء بما يكرهون "قالوا سلاماً" سداداً من القول يسلمون فيه من الإيذاء و الإفك أو تسلماً منكم نتاركم ولا نجاهلكم فأقيم السلام مقام التسلم وقيل نسختها آية القتال ولا حاجة إلى ذلك فالإغضاء عن السفهاء مستحسن شرعاً ومروءة"[30]

یعنی احمق لوگ ان سے ایسی چیزوں کے بارے گفتگو کرتے ہیں جنہیں وہ ناپسند کرتے ہیں یعنی وہ ایسی درست بات کرتے ہیں کہ وہ ایذا اور گناہ دونوں سے بچ جاتے ہیں یا یہ کہ جب جاہل ان سے گفتگو کرتا ہے تو وہ نرمی کے ساتھ دور کر دیتے ہیں تو یہاں سلام تسلیم کے قائم مقام ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ آیت قتال سے منسوخ ہے حالانکہ اس کی حاجت نہیں کیونکہ احمقوں سے نرمی کرنا شرعاً مستحسن ہے اور عزت میں اضافے کا سبب ہے۔

کلمہ مستحسن تفسیری تناظر میں ایک تجزیہ

علامہ نیشاپوری کی تفسیر سے جو حوالہ پیش کیا گیا اس میں انہوں نے آیت کے ظاہری معنی کو ترک کر کے تقدیری معنی اختیار کرتے ہوئے

اسے مستحسن وجائز قرار دیا اور فقہ کے استحسان میں بھی قیاس جلی (ظاہر دلیل) کو ترک کرکے قیاس خفی (مقدر دلیل) کو اختیار کیا جاتا ہے اور مستحسن یا استحسان کا نام دیا جاتا ہے اور پھر رازی کی تفسیر سے جو حوالہ پیش کیا اس میں بھی انہوں اہل جاہلیت کے عمل کو مستحسن قرار دیا گویا کہ انہوں حج کے موقع پر تجارت کو ازروئے استحسان اس لیے حرام قرار دیا ہے کہ حاجی اللہ تعالیٰ کی خدمت میں مصروف رہے اور دنیوی لالچوں سے حج کو ملوث نہ کرے)۔ اور اس کے بعد جو تفسیر رازی سے نقل کی گئی اس میں امام رازی نے استحسان کی تائید میں قرآن وسنت کے دلائل کو پیش فرماکر استحسان کو دلیل شرعی تسلیم کیا ہے یہی وجہ ہے تفسیر رازی میں کئی مسائل کو اصول استحسان کے تحت مستنبط کیا گیا اور آخر الذکر عبارت میں مفسر نے دلیل کو رد کرتے ہوئے فرمایا اس حکم کو کسی دوسرے حکم سے منسوخ کرنے کی کوئی حاجت ہی نہیں کہہ کر دلیل کو رد کرتے ہوئے کہا کہ شرعا ازروئے استحسان ان سے نرمی کا برتاؤ کرنا ہے اور عزت میں اضافے کا سبب ہے۔

کلمہ اِسۡتَحۡسَنَ /اَسۡتَحۡسِنُ تفسیری تناظر میں

1۔ زجاج کا (إن هذان لساحران) کی تفسیر میں قول ہے:

"فأمّا قراءة عيسى بن عمر و أبي عمرو بن العلاء فلا أجيزها لأنها خلاف المصحف، وكل ما وجدته إلى موافقة المصحف أقرب لم أجز مخالفته، لأن اتباعه سنة. وما عليه أكثر القراء، ولكني أستحسن (إن هذان لساحران) بتخفيف"[31]

بہر حال عیسیٰ بن عمرو اور ابی عمرو بن العلاء اس کو مصحف کے خلاف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں سمجھتے اور ہر وہ جو مصحف کے موافق اور اقرب ہو اس کی مخالفت جائز نہیں اس لیے کہ اس کی اتباع سنت ہے اور اس پر اکثر قراء بھی نہیں اور لیکن میں نے ان هذان لساحران کے تخفیف کے ساتھ پڑھنے میں استحسان کیا یعنی یوں پڑھنے کو اچھا جانا۔

2۔ امام قرطبیؒ کا اس شخص کی حد کے بارے میں جسے زنا پر مجبور کیا گیا ہو قول ہے:

"وقال ابن خويز منداد في أحكامه: اختلف أصحابنا متى أكره الرجل على الزنى، فقال بعضهم: عليه الحدّ، لأنّه إنّما يفعل ذلك باختياره. وقال بعضهم: لا حدّ عليه. قال ابن خويز منداد: وهو الصّحيح. وقال أبو حنيفة: إن أكرهه غير السّلطان حدّ، وإن أكرهه السّلطان فالقياس أن يحدّ، ولكن أستحسن ألاّ يحدّ."[32]

ابن خویز منداد نے اپنی احکام میں کہا ہے کہ ہمارے اصحاب نے جب کسی کو زنا پر مجبور کیا جائے اس کی حد میں اختلاف کیا ہے بعض نے کہا ہے اس پر حد ہے اس وجہ سے کہ اس نے یہ فعل اپنے اختیار کے ساتھ کیا اور بعض نے کہا ہے اس پر حد نہیں ابن خویز منداد نے کہا یہی درست ہے اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا: اگر اسے مجبور کرنے والا غیر سلطان ہو تو اس کو حد لگائی جائے گی۔ اگر اس کو مجبور کرنے والا سلطان ہو قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ اسے حد لگائی جائے اور لیکن میرے نزدیک استحسان یہ ہے کہ اسے حد نہ لگائی جائے۔

3۔ اسی طرح امام قرطبیؒ کا آیت وضو اور اس کی تفسیر کے ذکر کے بعد موزوں پر مسح کے مسئلہ میں لکھتے ہیں کہ امام احمد کا قول ہے:

"قال أحمد بن حنبل: أنا أستحسن حديث جرير في المسح على الخفّين، لأنّ إسلامه كان بعد نزول المائدة"[33]

امام احمد نے فرمایا میں موزوں پر مسح میں حدیث جریر کو اچھا سمجھتا ہوں یعنی اس بارے میں استحسان کو اختیار کرتا ہوں کیونکہ ان کا اسلام سورت مائدہ کے نزول کے بعد ہے۔

کلمہ اِسۡتَحۡسَنَ /اَسۡتَحۡسِنُ تفسیری تناظر میں ایک تجزیہ

زجاج نے کہا ہے کہ میں نے سنت کی وجہ سے اس قرأت میں تخفیف وتشدید کے ساتھ پڑھنے میں استحسان کیا ہے اس اعتبار سے یہ فقہی استحسان کے مشابہ ہے اور دوسری عبارت میں امام قرطبیؒ نے حد کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے قول کو اختیار کیا جو مبنی بر استحسان ہے یعنی جس طرح امام صاحب نے حد کے مذکورہ مسئلے میں استحسانا حد جاری نہ کرنے کو پسند فرمایا اسی طرح ان کے نزدیک بھی استحسانا حد جاری نہیں ہونی چاہیے اور یہ بھی کہ کسی مفسر کا آیت سے ثابت شدہ حکم کے ضمن میں کسی فقہی امام کی رائے کا ذکر کرنا اس امر کا بین ثبوت ہوتا ہے کہ جو رائے اس مسئلے میں اس امام کی ہے وہی رائے اس کی بھی ہے ۔ پھر اسی طرح وضو کی آیت کی تفسیر کے ضمن میں انہوں نے امام احمد بن حنبل کے استحسان کو ذکر فرما کر استحسان کے دلیل شرعی ہونے کی بھرپور تائید کی ۔اسی طرح متعدد تفاسیر میں کلمہ اِسۡتَحۡسَنَ /اَسۡتَحۡسِنُ کے ساتھ اکثر آیات الاحکام میں جن کو فقہ حنفی میں دلیل بنا کر استحسان کیا گیا ہے انہوں نے اہتمام کے ساتھ اس استحسانی مسئلہ کو نہ صرف بیان فرمایا بلکہ اس کو اصول ترجیح کے مطابق ترجیح بھی دی۔

کلمہ استحسان تفسیری تناظر میں

1۔ابو الحسن علی بن احمد النیسابوری، الشافعی الحجارۃ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اللیث نے کہا ہے:

"الحجارة جمع الحجر وليس بقياس، لأن الحجر يجمع على أحجار، ولكن يجوز الاستحسان في العربية مثل الاستحسان في الفقه، وترك القياس، قال الأزهري: وهذه العلة أحسن من علة الاستحسان الذي شبهه بالاستحسان في الفقه"[34]

حجر کی جمع الحجارۃ از روئے قیاس نہیں کیونکہ قیاسا حجر کی جمع احجار آتی ہے لیکن فقہ میں استحسان کی طرح عربی میں بھی قیاس کو ترک کر کے استحسان کرنا جائز ہوتا ہے اور الازہری نے کہا کہ یہ علت استحسان کی اس علت سے (احسن) بہت زیادہ بہتر ہے جو فقہی استحسان سے مشابہ ہے

2۔عبد الحق بن غالب آیت (فإذا قرأت القرآن فاستعذ بالله من الشيطان الرجيم)[35] کی تفسیر میں ذکر کرتے ہیں:

اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم قرأت کا ارادہ کرو یا شروعات کرو مستقبل کے موقع پر ماضی کا واقع کرنا ثبوت کے لیے ہے علماء کا اس امر میں اجماع ہے کہ قرآن پڑھنے والے کا قول یعنی تعوذ کتاب اللہ کی آیت کے ساتھ نہیں اور نماز کے علاوہ ہر قرآت میں بر بناء استحسان اس کا التزام کرنے پر اجماع ہے۔"[36]

3۔ابو سعود العمادی نے آیت (ففهمناها سليمان)[37] کی تفسیر میں مذکور واقعہ میں دو فیصلوں کے بارے میں اپنی رائے قائم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک فیصلہ مبنی بر استحسان اور دوسرا مبنی بر قیاس تھا چنانچہ لکھتے ہیں:

"ففهمنا" میں ضمیر کا مرجع فتویٰ یا فیصلہ ہے یعنی ہم سلیمانؑ کو ہم نے الہام کر دیا وہ جو ہمیں پسند تھا اس کلام میں کئی جملے حذف ہیں اصل مفہوم اس طرح ہے کہ سلیمانؑ نے اس طرح فیصلہ کیا جس طرح ہم نے سمجھایا تھا حضرت داودؑ نے اپنے کیے گئے فیصلے سے رجوع فرمالیا اور سلیمانؑ کے فیصلہ پر تصدیقی دستخط فرمادیئے پورا واقعہ اس طرح ہے کہ دو شخص حضرت داوٗدؑ کے پاس حاضر ہوئے ان میں سے ایک بکریوں کا مالک تھا اور دوسرا کھیتی کا مالک تھا کھیتی والے نے کہا کہ اس شخص کی بکریاں رات کو میری کھیتی میں چھوٹ گئی تھیں اور میرا سارا کھیت چٹ کر گئیں اور کھیت میں اب کچھ بھی نہیں بچا لہذا آپ ہمارے درمیان فیصلہ فرمائیں حضرت داوٗدؑ نے کھیت والے کو بکریاں دے دیں۔ فیصلہ سننے کے بعد دونوں کا گزر حضرت سلیمانؑ کے پاس سے ہوا تو انہوں نے پوچھا تمہارا کیا فیصلہ ہوا تو انہوں اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا اگر تمہارا فیصلہ میرے سپرد کر دیا جاتا تو میں کچھ اور فیصلہ کرتا ایک راویت میں ہے کہ میں ایسا فیصلہ کرتا جو دونوں کے حق میں بہتر ہوتا جب یہ

خبر حضرت داؤدؑ کو پہنچی تو آپ نے انہیں بلا بھیجا اور ان کا فیصلہ کرنے کو فرمایا تو انہوں نے فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بکریاں کھیتی والے کو دے دو، وہ ان کے دودھ، اون اور دوسرے منافع حاصل کرے اور بکریوں والا کھیتی والے کے لیے زمین میں بیج ڈالے اور ان کی دیکھ بھال کرے۔ جب کھیتی اس مقدار کو پہنچ جائے جیسی کہ بکریوں نے کھائی تھی تو کھیتی والے اور بکریاں بکریوں والے کو دی جائیں تو داؤدؑ نے سلیمانؑ کے اس فیصلے کو پسند فرماتے ہوئے اپنے فیصلے سے رجوع کر کے یہی فیصلہ فرمایا۔اس واقعہ کو آیت کی تفسیر میں ذکر کرتے ہوئے ابو سعود العمادی نے فرمایا:

"إن رأي سليمان عليه السلام استحسان كما ينبىء عنه قوله أرفق بالفريقين ورأي داود عليه السلام قياس "[38]

بے شک حضرت سلیمانؑ نے استحسان کو دیکھا جس کی بنیاد ان کا یہ قول "أرفق بالفريقين" ہے اور حضرت داؤدؑ نے قیاس کو دیکھتے ہوئے فیصلہ فرمایا.

4۔البسیلی نے آیت (فإذا تطهرن) کی تفسیر میں ابن بکیر کا ایک قول ذکر کیا جو کہ مبنی بر استحسان ہے:

"المراد به الاغتسال وهو ملزوم؛ لارتفاع الدم، وإنما نظيره قولنا: " لا تكرم زيدًا حتى يأتي عمرو فإذا دخل عندك عمرو فأكرمه، أو فإذا أتاك خالد وعمرو فأكرمه "، وهذا جائز. الباجي: قال مالك، والشافعي، وجمهور الفقهاء: لا يجوز وطؤها حتى تغتسل سواء انقطع دمها لأكثر أمد الحيض أو أقله. وقال ابن بكير: الإمساك عنها استحسان "[39]

"پھر جب پاک ہو جائیں، اس سے غسل مراد ہے جو کہ ارتفاع دم کے لیے ملزوم ہے جس کی نظیر ہمارا یہ قول ہے کہ زید کا اکرام نہ کر یہاں تک کہ عمرو آجائے یعنی پس جب عمرو تجھ پر داخل ہو جائے پس تو اس کا اکرام کر اور یہ جائز ہے۔الباجی اور امام مالک، امام شافعی اور جمہور فقہاء نے فرمایا ہے جب تک عورت غسل نہ کرلے وطی جائز نہیں برابر ہے کہ اس کا خون اکثر مدت سے بڑھ کر منقطع ہوا ہو یا اقل میں اور ابن بکیر نے کہا ہے اس سے رک جانا استحسان ہے۔"

5۔ابوزہرہ کا آیت (ولا تباشروهنّ وأنتم عاكفون في المساجد)[40] کی تفسیر میں قول ہے:

وبهذا أشار سبحانه وتعالى إلى استحسان الاعتكاف وهو سنة عن النبي - صلى الله عليه وسلم - إنه بهذا اضنا البيان الحكيم قد حد الله تعالى ما يحل وما لا يحل ووقت الحل ووقت الصوم، وحد ميعاد الصوم وميعاد الفطر [41]

اور عورتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو" اس کے ساتھ اللہ تعالی نے استحسان اعتکاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے یہ حکیم کے بیان کا انوکھا طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ جو حلال ہے اور جو حلال نہیں اور وقت حلال کی حد بندی فرمائی اور صوم وافطار کی میعاد کی حد بیان فرمائی۔

6۔ابوالعباس احمد بن محمد تونسی کا قول ہے:

"وأوضح منه أن ابن عطية حين قال عند تفسير قوله تعالى: "وتخفي في نفسك" [42] "إن النبي - صلى الله عليه وسلم - وقع منه استحسان لزينب وهي في عصمة زيد. وكان حريصا على أن يطلقها زيد فيتزوجها هو، ثم إن زيدا لما أخبره بأنه يريد فراقها، ويشكو منها غلظة " [43]

اور اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے جو ابن عطیہ نے جب اللہ تعالی کے اس قول کی تفسیر کے وقت کہا "اور تم اپنے دل میں رکھتے تھے" بے شک نبی ﷺ سے حضرت زینب کے لیے استحسان واقع ہوا جو کہ حضرت زید کی عصمت میں تھا اور آپ ﷺ کی دلی تمنا تھی حضرت زید اپنی بیوی کو طلاق دیں پھر جب حضرت زید نے اس کی خبر دی کہ وہ فراق چاہتی ہیں اور وہ ان سے گندگی کی شکایت کرتے ہیں۔

7۔ تفسیر ماتریدی میں ایک قول ہے:

"واحتج بعض مشايخنا - رحمهم الله - لقول أبي حنيفة في تحديده بثماني عشرة سنة لبلوغ الغلام إذا لم يحتلم، قال: لأن الوسط من احتلام الغلمان أن يبلغوا خمس عشرة سنة، وربما احتلموا قبل ذلك، وربما تأخر احتلامهم عنه، ووجد المعروف فيمن نقصت سنه عن اثنتي عشرة ألا يحتلم، فإذا بلغها فربما احتلم، فجعل حد الزيادة على الخمس عشرة سنة التي هي وسط بين المختلفين - ثلاث سنين، كما كان مقدار النقصان عنها ثلاث سنين، وهذا القول من قوله استحسان، والله أعلم" [44]

ہمارے بعض مشائخ نے لڑکے کے بلوغ کے لیے جب اسے احتلام نہ ہوا ہو تو بارہ سال کی عمر کو منتخب کرتے ہوئے امام ابو حنیفہ کے قول کو حجت قرار دیا ہے کیونکہ یہ لڑکوں کے احتلام کی عمر کا درمیان ہے جب کہ لڑکوں کی بلوغت کی پندرہ سال ہو اور بسا اوقات تو انہیں اس سے بھی پہلے احتلام ہو جاتا ہے اور اس کے متعلق ایک عرف مشہور ہے کہ اس کی عمر بارہ سال سے بھی کم تھی مگر اسے احتلام ہو گیا پس جب وہ بالغ ہوتا ہے تو اسے احتلام ہوتا ہے اور زیادہ کی حد پندرہ سال مقرر کی گئی ہے جو کہ دو مختلف فیہ کے درمیان ہے اور وہ تین سال ہے جیسا کہ اس سے کم کی مقدار تین سال ہے اور یہ قول استحسانی اقوال میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ۔

8۔امام ماتریدی کا قول ہے:

"وحكى الطبري وغيره عن سفيان الثوري أن الرجل إذا مسح شعرة واحدة أجزأه، ومن مواضع الخلاف في مسح الرأس ما العضو الذي يمسح به؟ فالإجماع على استحسان المسح باليدين جميعا وعلى الإجزاء إن مسح بواحدة" [45]

طبری وغیرہ نے سفیان ثوری سے حکایت بیان کی ہے کہ جب مرد نے کسی ایک بال کا بھی مسح کیا تو مسح جائز ہو جائے گا سر کے مسح میں مواضع میں اختلاف ہے کہ وہ کونسا عضو ہے جس کے ساتھ مسح کیا جائے؟ پس استحساناً ہاتھوں کے ساتھ سارا مسح کرنے پر اجماع ہے اس کے باوجود کہ اگر مسح ایک ہی ہاتھ کے ساتھ کیا جائے۔

9۔امام فخر الدین رازی کا قول ہے:

"قلنا: إنّ المرائي يريهم عمله وهم يرونه استحسان ذلك العمل، وفي قوله ولا يذكرون الله إلّا قليلًا" [46]

ہم یہ کہتے ہیں بے شک دیکھنے والے اس کے عمل کو دیکھتے ہیں اور وہ اس کے اس عمل میں اس کے استحسان کو دیکھتے ہیں اور اس کے قول میں " وہ اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر تھوڑا۔

10۔امام قرطبیؒ کا آیت (أعتقها فإنّها مؤمنة) کی تفسیر میں قول ہے:

فأجاز الإسلام بالإشارة الّذي هو أصل الدّيانة الّذي يحرز الدّم والمال وتستحقّ به الجنّة وينجّى به من النّار، وحكم بإيمانها كما يحكم بنطق من يقول ذلك، فيجب أن تكون الإشارة عاملةً في سائر الدّيانة، وهو قول عامّة الفقهاء. وروى ابن القاسم عن مالك أنّ الأخرس إذا أشار بالطّلاق أنّه يلزمه. وقال الشّافعيّ في الرّجل يمرض فيختلّ لسانه فهو كالأخرس في الرّجعة والطّلاق. وقال أبو حنيفة: ذلك جائزٌ إذا كانت إشارته تعرف، وإن شكّ فيها فهي باطلٌ، وليس ذلك بقياس وإنّما هو استحسانٌ. والقياس في هذا كلّه أنّه باطلٌ، لأنّه لا يتكلّم ولا تعقل إشارته" [47]

اسے آزاد کر دو کیونکہ یہ مؤمنہ ہے جو شے دین کی اصل ہے اسلام نے اس کی طرف اشارہ کو جائز قرار دیا ہے پس اس کے ساتھ وہ اپنے خون اور مال کو بچانے والا ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ وہ جنت کا مستحق اور جہنم سے نجات کا مستحق ہو جاتا ہے اس کے ایمان کا حکم زبان سے بول کر ایمان لانے والے جیسا ہے پس لازم ہے کہ اس کا اشارہ پورے دین پر عامل ہو یہ عامۃ الفقہاء کو قول ہے اور ابن قاسم نے امام مالک سے روایت

کیا ہے کہ گونگے کے طلاق کا اشارہ کرنے سے وہ لازم ہو جاتی ہے امام شافعی نے اس بیمار شخص کے بارے فرمایا ہے جس کی زبان بند ہو گئی وہ رجعت و طلاق میں گونگے کی طرح ہے امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے کہ یہ جائز ہے مگر جب اس کا اشارہ معروف ہو اور اگر اس میں شک ہو تو وہ باطل ہے یہ قیاس نہیں بلکہ استحسان ہے اور اس میں تمام قیاس باطل ہیں اس لیے کہ نہ تو وہ کلام کر سکتا ہے اور نہ ہی اشاروں کی سمجھ بوجھ رکھتا ہے۔

خلاصہ کلام

استحسان یا اس مفہوم کو ظاہر کرنے والے الفاظ (استحسن/استحن، مستحسن، استحسنت) اکثر و بیشتر تفاسیر موجود ہیں جیسا کہ صفحات بالا میں ہم کسی نہ کسی حوالے سے اس کا ذکر کر چکے اور اصول استحسان یا اس کو واضح کرنے والے الفاظ کو بھی متعدد مفسرین نے اپنی تفاسیر میں اس پر اعتماد کرتے ہوئے ان مسائل کو ذکر کیا جن کا تعلق استحسان سے ہے ان کا ایسا کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے وہ استحسان کو باقی مصادر شرع کی طرح مصدر تشریعی مانتے ہیں۔اور بعض مفسرین ایسے بھی ہیں جن سے متعدد مسائل ایسے ثابت ہیں جن میں انہوں نے لفظ استحسان تو استعمال نہیں کیا مگر اس سلسلہ میں انہوں نے جو اصول اور طریقہ کار استعمال کیا وہ اپنی نوعیت اور حقیقت کے لحاظ سے استحسان میں داخل ہے چنانچہ جیسا کہ تفسیر السعود میں (ففهمناها سليمان) کی تفسیر کرتے ہوئے مفسر نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلے کو مبنی بر استحسان اور حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلے کو مبنی بر قیاس قرار دیا ہے جبکہ دوسرے اکثر و بیشتر مفسرین نے حضرت داؤدؑ کے فیصلے کو مبنی بر اجتہاد اور حضرت سلیمانؑ کے فیصلے کو وحی کے تابع قرار دیا ہے جس میں مفہوما استحسان و قیاس موجود ہیں۔

تفسیر ابن عطیہ میں ہے کہ (ايابهم) یاء کی شد کے ساتھ فعال کے وزن پر ہے اور اس کی اصل أیب فعل سے فیعال آتی ہے اور اس کی اصل فعیل آتی ہے اور اوب سے ایو ابا آنا اور ہمزہ کو سہولت دینا درست ہو سکتا ہے اور یہ ادغام میں لازم ہوگا کہ اسے او ابا کی طرف لوٹایا جائے اس کے بعد مفسر نے کہا ہے کہ (لكن استحسنت فيه الياء على غير قياس)[48] (لیکن میں نے یاء میں قیاس کے غیر پر استحسان کیا ہے۔اسی طرح ابن عطیہ کے علاوہ تین سے زیادہ مفسرین نے اس مقام پر مذکورہ عبارت کو نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ (لكن استحسنت فيه الياء على غير قياس)[49] اور قرطبیؒ نے ابن مبارک کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے "قال ابن المبارك: استحسنت، هذا جدا"[50]

اسی طرح متعدد مفسرین نے اپنی تفاسیر میں استحسان کے علاوہ اصول استحسان جس میں قیاس ظاہر کو چھوڑ کر اس سے قوی تر قیاس پر عمل کیا جاتا ہے کو نہ صرف اختیار فرمایا بلکہ باقاعدہ کئی مقامات پر لغوی مبحث کو مکمل کرنے بعد فقہ کے اصول استحسان سے اپنے استحسان کی موافقت پیدا کرنے کے لیے کہا کہ "وهذه العلة أحسن من علة الاستحسان الذي شبهه بالاستحسان في الفقه"[51]

استحسان ایک ایسا اصول ہے جس کی جامعیت و اہمیت و ضرورت سے کسی مفسر، فقیہ، محدث، لغوی کو مجال انکار نہیں۔ حنفی مفسرین نے تو اپنی تفاسیر میں آیت سے ثابت ہونے والے مسئلے کے ضمن اس اصول سے ثابت شدہ مسائل کو بیان کر کے اس پر اس نص قرآنی کو ثبت فرما کر استحسان کے دلیل شرعی ہونے کی تائید بھی فرمائی اور اس کی ضرورت و اہمیت کو بھی واضح فرمایا امام رازی نے تو اپنی تفسیر میں متعدد مرتبہ مختلف مسائل میں استحسان کرنے کے بعد اس پر دلیل بھی بیان فرمائی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اصول استحسان ان کے نزدیک بھی فقہاء کرام کی طرح دلائل شریعہ میں سے ایک دلیل شرعی ہے اور اس کے علاوہ دوسرے مذاہب فقہ سے تعلق رکھنے والے مفسرین خصوصاً شوافع جو کہ بظاہر استحسان کے بطلان کے قائل ہیں ان کی تفاسیر بھی اصول استحسان کے مطابق ہی مسائلِ لغت و فقہ کو حل کیا گیا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

[1]۔الرازی، محمد بن ابی بکر، ابو عبد اللہ، **مختار الصحاح**، مادۃ حسن، المکتبۃ العصریہ، بیروت، ط5، 1420ھ، ص426۔

[2]۔اصفہانی، حسین بن محمد، ابو القاسم، **المفردات فی غریب القران**، مادۃ حسن، دار القلم، بیروت، ط1، 1412ھ، ص235۔

[3]۔ قاضی ابو عبد اللہ الصمیری الحنفی استحسان واستقباح کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ (**الاستحسانُ هو العلمُ بالشيءِ على الوجهِ الذي لو قوعهِ عليه يكون حسنا**)(استحسان اس شیء کا علم ہے کہ جس کے لیے کوئی وجہ واقع ہوئی اور وہ حسن ہوگئی ہو)(**والاستقباح هو: العلمُ بالشيءِ على الوجهِ الذي لو قوعهِ عليه يكونُ قبيحا**)(استقباح اس شیء کا علم ہے کہ جس کے لیے کوئی وجہ واقع ہوئی اور وہ قبیح ہو گئی ہو)۔البغدادی، علی بن عقیل بن محمد، **الواضح فی اصول الفقہ**، مؤسسۃ الرسالۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، ط1، 1999ء، ج2، ص102۔

[4]۔السرخسي، محمد بن احمد، **اصول السرخسي**، دار المعرفۃ، بیروت، ج2، ص200۔

[5]۔الجرجاني، علي بن محمد بن علي الزين الشريف، **كتاب التعريفات**، دار الكتب العلمية، بيروت، ط1، 1403ھ، ج1، ص18۔

[6]۔الحنبلي، علاء الدين علي بن سليمان، **التحبير شرح التحرير فی اصول الفقہ**، مكتبۃ الرشد، الرياض، ط1، 1421ھ، ج8، ص3823۔

[7]۔ الكفوي، ايوب بن موسى، ابو البقاء، **الكليات معجم في المصطلحات والفروق اللغوية**، مؤسسۃ الرسالۃ، بيروت، ج1، ص107۔

[8]۔الغزالي، محمد بن محمد، **المستصفى**، دار الكتب العلمية، بيروت، ط1، 1413ھ، ص171۔

[9]۔السرخسی، **اصول السرخسي**، ج2، ص200۔

[10]۔السغناقي، الحسين بن علي بن حجاج، حسام الدين، **الكافي شرح البزودي**، مكتبۃ الرشد للنشر والتوزيع، بيروت، ط1، 1422ھ، ج4، ص1833۔

[11]۔ السلمی، عیاض بن نامی بن عوض، **اصول فقہ الذی لایسع الفقیہ جہلہ**، دار التدمریہ، السعودیہ، ص194۔

[12]۔ المعتزلی، محمد بن علی الطیب، **المعتمد فی اصول الفقہ**، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج2، ص296۔

[13]۔الاصفہانی، محمود بن عبد الرحمن، ابو القاسم، **بیان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب**، دار المدنی، السعودیۃ، ط1، 1406ھ، ج3، ص281۔

[14]۔الشاطبی. ابراهیم بن موسیٰ، **الاعتصام**، دار ابن عفان، السعودیۃ، ط1، 1412ھ، ج2، ص193۔

[15]۔الغزالي، محمد بن محمد، ابو حامد، **المستصفى**، ص173۔

[16]۔القرآن الکریم 103/9۔

[17]۔القرآن الکریم 25/39۔

[18]۔القرآن الکریم 18/39۔

[19]۔القرآن الکریم 145/7۔

[20]۔السرخسی، امام محمد بن احمد بن ابی سہل، **كتاب المبسوط**، دار المعرفۃ، بیروت، 1414ھ، ج10، ص145۔

[21]۔مالک بن انس بن مالک، **موطا امام مالک**، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1412ھ، ج1، ص91۔

[22]۔القرآن الکریم 33/29۔

[23]۔الشافعي، ابو الحسن علي بن احمد بن محمد، **التَّفْسِيرُ البَسِيط**، المحقق: اصل تحقیقه في (15) رسالۃ دکتوراۃ بجامعۃ الامام محمد بن سعود، (**ثم قامت لجنة علمية من الجامعة بسبكه وتنسيقه**)، عمادۃ البحث العلمي - جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ، ط: الاولى، 1430ھ، ج17، ص215۔

[24]۔القرآن الکریم 198/2۔

[25]۔الرازي، ابو عبد اللہ محمد بن عمر، **التفسير الكبير**، ج5، ص322۔

26۔القرآن الکریم185/2۔

27۔الرازی، **التفسیر الکبیر**، ج11، ص317۔

28۔امام رازی نے تفسیر کبیر میں جن مقامات پر حدیث مذکور کو ذکر فرما کر استحسان کیا۔

ج1، ص176/179، ج3 ص613، ج4 ص116 ج11، ص317۔

29۔القرآن الکریم63/25۔

30۔النسفي، عبداللہ بن احمد بن محمود، ابوالبرکات، **مدارک التنزیل وحقائق التاویل**، دار الکلم الطیب، بیروت ط1، 1419ھ، ج2، ص548۔

23۔الزجاج، ابراہیم بن السري بن سھل، ابواسحاق، **معانی القران واعرابہ**، عالم الکتب، بیروت، ط1، 1408ھ، ج3، ص364۔

33۔القرطبیؒ، ابوعبداللہ محمد بن احمد شمس الدین، **تفسیر القرطبیؒ**، دار الکتب المصریۃ، القاہرۃ، ط2، 1384ھ، ج10، ص183۔

33۔ایضاً، ج6، ص93۔

34۔الشافعي، ابوالحسن علي بن احمد، **التَّفْسِيرُ البسيط**، ج3، ص69/68۔

35۔القرآن الکریم98/16۔

36۔الاندلسي، ابومحمد عبدالحق بن غالب بن عطیۃ، **المحرر الوجیز في تفسیر الکتاب العزیز**، بیروت دار الکتب العلمیۃ، ط1، 1422ھ، ج1، ص58۔

37۔القرآن الکریم79/12۔

38۔ابوالسعود العمادی محمد بن محمد بن مصطفی، **ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم**، دار احیاء التراث العربي، بیروت، ج6، ص79۔

39۔التونسی، ابوالعباس احمد بن محمد، **التقیید الکبیر فی تفسیر کتاب اللہ المجید**، المملکۃ العربیہ۔السعودیۃ، ج1، ص308۔

40۔القرآن الکریم187/2۔

41۔ابی زہرۃ، محمد بن احمد بن مصطفی، **زھرۃ التفاسیر**، دار الفکر العربی، ج2، ص567۔

42۔القرآن الکریم37/39۔

43۔التونسی، ابوالعباس احمد بن محمد، **التقیید الکبیر فی تفسیر کتاب اللہ المجید**، ج1، ص149۔

44۔الماتریدي، محمد بن محمد بن محمود، ابومنصور، **تفسیر الماتریدي**، دار الکتب العلمیۃ-لبنان، بیروت، ط: الاولی، 1426ھ، ج7، ص592۔

45۔ایضاً، ج2، ص162۔

46۔الرازی، **التفسیر الکبیر**، ج11، ص249۔

47۔القرطبی، **تفسیر القرطبیؒ**، ج4، ص18۔

48۔ابن عطیہ، **المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز**، ج5، ص475۔

49۔ابوالعباس، شہاب الدین، احمد بن یوسف الحلبي، **الدر المصون في علوم الکتاب المکنون**، دمشق، دار القلم، بدون طبع والتاریخ، ج10، ص775۔

50۔القرطبیؒ، **تفسیر قرطبیؒ**، ج3، ص140۔

51۔الشافعي، ابوالحسن علي بن احمد، **التَّفْسِيرُ البسيط**، ج3، ص69،68۔